بحری تجارت کی تاریخی وشرعی اہمیت

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست ہجری تاریخ کی تاریخی وشرعی اہمیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہجری تاریخ کی تاریخی وشرعی اہمیت

تمہید

ہجری تاریخ اسلامی تاریخ کہلاتی ہے اور شریعت میں بہت سے امور کو اسی پر معلق اور متعدد احکام کو اسی سے وابستہ کیا گیا ہے، اور یہ تاریخ اہل اسلام کے لئے ایک امتیازی نشان کا درجہ رکھتی ہے ، اور جس طرح عیسائیوں کی ایک تاریخ ہے ، ہندو قوم کی اپنی ایک تاریخ ہے ، نیز دیگر اقوام کی اپنی اپنی تاریخیں ہیں اسی طرح اہل اسلام کی بھی اپنی ایک تاریخ ہے اور اس سے ان کو دیگر اقوام سے ایک گونہ امتیاز بھی حاصل ہوتا ہے۔

پچھلی قوموں میں تاریخ کا رواج

ہجری سال جو کہ اسلامی تاریخ کے لئے مقرر کیا گیا ہے، یہ کب سے ہے اور کیوں ہے؟ اس سوال پر غور کرنے سے قبل یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ پچھلی قوموں میں تاریخ کے جاننے اور معلوم کرنے کیلئے مختلف چیزوں کو مدار بنایا جاتا رہا ہے۔

امام طبری نے اپنی تاریخ میں امام زہری اور امام شعبی سے روایت نقل کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے کہا کہ جب آدم جنت سے اُتارے گئے اور ان کی اولاد ادھر اُدھر پھیل گئی تو ان کی اولاد نے ھبوط آدم کے واقعہ سے تاریخ کا شمار کیا، اور یہ تاریخ حضرت نوح کی بعثت تک جاری رہی ، پھر لوگوں نے حضرت نوح کی بعثت سے غرق کے واقعہ تک تاریخ شمار کی ، پھر طوفان کے واقعہ سے حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالے جانے تک تاریخ شمار ہوتی تھی ، پھر اس واقعہ سے حضرت یوسف

کی بعثت تک اور پھر وہاں سے حضرت موسی کی بعثت تک ، پھر وہاں سے حضرت سلیمان کے دور حکومت تک ،اور پھر وہاں سے بعثت عیسی تک اور پھر بعثت عیسی سے بعثت محمد ﷺ تک تاریخ کا سلسلہ چلا ہے۔امام طبری کہتے ہیں کہ یہ تاریخ کا جو رواج امام شعبی نے بتایا ہے یہ یہود کے مابین رائج تھی۔(۱)

محدث امام شعبیؒ ہی کا بیان ہے کہ جب دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں اضافہ ہوااور وہ زمین کے مختلف حصوں اور خطوں میں پھیل گئے تو لوگوں نے ھبوطِ آدم (آدم کے جنت سے زمین پر اُتارے جانے) کے وقت سے تاریخ مقرر کی ہے جو کہ طوفانِ نوح تک چلتی رہی۔اور ابن کلبی کا بیان ہے کہ قبیلہ حمیر کے لوگ تبابعہ (یعنی بادشاہوں) سے تاریخ شمار کرتے تھے اور قبیلۂ غسان کے لوگ سد (بندھ) کے ٹوٹنے کے واقعہ سے تاریخ لکھتے تھے اور اہل صنعاء کی تاریخ حبشہ والوں کے غلبہ کے واقعہ سے، پھر اہل فارس کے غلبہ کے واقعہ سے چلتی تھی، پھر عرب کے لوگ مشہور دنوں سے تاریخ کا اجراء کرتے تھے، جیسے جنگ بسوس وداجس،غبراء،وغیرہ وغیرہ۔(۲)

اور ابن ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اہل روم کی تاریخ دارا بن دار کے قتل سے اہل فارس کے ان پر غالب آنے کے واقعہ تک چلتی رہی ، اور رہے قبطی تو انہوں نے اپنی تاریخ بخت نصر سے فلا بطرہ تک چلائی جو کہ مصر کی ملکہ تھی اور یہود نے بیت المقدس کی ویرانی و بربادی کے واقعہ سے تاریخ چلائی اور عیسائی لوگوں نے عیسی علیہ السلام کے واقعہ رفع سے اپنی تاریخ جاری کی۔(۳)

اور علامہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ:

اہل فارس (یعنی ایرانی) جب کوئی بادشاہ مرجاتا اور دوسرا کوئی بادشاہ تخت

(۱) تاریخ طبری: ۱۲۰/۱ (۲) عمدۃ القاری: ۶۶/۱۷ (۳) عمدۃ القاری: ۶۶/۱۷

نشین ہوتا تو یکے بعد دیگرے اسی سے تاریخ مقرر کرتے تھے اور پچھلی تاریخ کو چھوڑ دیتے تھے۔ (۱)

امام طبری کہتے ہیں کہ نصاری یعنی عیسائی لوگ اسکندر ذوالقرنین کے عہد سے تاریخ لکھتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ لوگ آج بھی اسی پر قائم ہیں، اور فارسی لوگ اپنے بادشاہوں کے عہد سے تاریخ لکھا کرتے تھے اور میرے علم کے مطابق آج وہ لوگ یزدگرد بن شہر یار کے عہد سے تاریخ لکھتے ہیں کیونکہ وہ ان کے بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ ہے جو بابل ومشرق پر حکمراں تھا۔ (۲)

خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں عبدالعزیز بن عمران کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہمیشہ سے لوگوں کی ایک تاریخ رہی ہے، وہ اول زمانہ میں آدم کے جنت سے اتارے جانے کے وقت سے تاریخ لکھتے تھے، اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے حضرت نوح کو مبعوث فرمایا، پھر لوگ حضرت نوح کے اپنے قوم پر بددعاء کے واقعہ سے تاریخ رکھنے لگے، پھر طوفان کے وقت سے شمار کرنے لگے، اور یہ سلسلہ حضرت ابراہیم کے آگ میں جلائے جانے تک رہا، پھر لوگ اسی واقعہ سے تاریخ لکھنے لگے، اور بنو اسماعیل نے تعمیر کعبہ سے تاریخ رکھی۔ (۳)

نیز خلیفہ بن خیاط نے انہی عبدالعزیز بن عمران سے اور ابن کثیر نے امام شعبی سے نقل کیا ہے کہ بنو اسماعیل تعمیر کعبہ سے تاریخ شمار کرتے تھے، اور یہ بات برابر جاری رہی یہاں تک کہ کعب بن لوی کی وفات ہوگئی، پھر اس کی موت کے وقت سے تاریخ لکھنے لگے یہاں تک کہ ہاتھی والا واقعہ پیش آ گیا، تو پھر اسی سال سے تاریخ لی جانے لگی، پھر مسلمانوں نے ہجرت کے سال سے تاریخ مانی۔ (۴)

(۱) البدایہ والنہایہ: ۲۰۶/۳ (۲) تاریخ طبری: ۱۲۰/۱ (۳) تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/۱ (۴) تاریخ خلیفہ: ۱/۱، البدایہ والنہایہ: ۲۰۷/۳

ان تفصیلات سے واضح ہوا کہ اکثر اقوام کے پاس اپنی اپنی تاریخ تھی جس سے وہ کام لیا کرتے تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ بعض واقعات مشہورہ سے تاریخ مقرر کیا کرتے تھے اور بعض لوگ بادشاہوں کی بادشاہت کے عروج وزوال سے تاریخ مقرر کرتے تھے، یہود نے بیت المقدس کی ویرانی کے واقعہ سے تاریخ مقرر کی اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے جانے بعد سے تاریخ بنائی، اسی طرح عرب کے لوگوں نے واقعۂ فیل سے تاریخ مقرر کی جس کا واقعہ یہ ہے کہ ابرھہ شاہ یمن نے کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے لئے کوہ پیکر ہاتھیوں کے ذریعہ کوشش کی تھی، مگر اللہ کی قدرت کہ اس بے ایمانی وکعبے کی گستاخی کے نتیجہ میں وہ خود ابابیل نامی پرندوں کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا، عربوں نے اسی واقعہ سے تاریخ مقرر کی تھی۔

ہجری تاریخ کا آغاز

گزشتہ اقوام کی تاریخوں کا جائزہ لینے کے بعد اب آیئے اہل اسلام میں رائج تاریخ کا جائزہ لیں، اسلامی تاریخ جس کو ہجری تاریخ کہا جاتا ہے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور یہ حضرات صحابۂ کرام کے مشورہ سے طے کیا گیا تھا۔

اس سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں ان پر اولاً ایک نظر ڈالتے چلئے:

(۱) حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہم کو خطوط موصول ہوتے ہیں، مگر ان پر تاریخ لکھی ہوئی نہیں ہوتی (یعنی یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ خط کب کا لکھا ہوا ہے)، اس پر حضرت عمر نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا، بعض حضرات نے مشورہ دیا کہ نبوت کے سال سے تاریخ لکھی جائے، بعض نے سالِ ہجرت کا اور بعض نے وفات کے سال کا مشورہ

دیا، مگر جمہور صحابہ نے اس پر اتفاق کیا کہ ہجرت کے سال سے اسلامی تاریخ مانی جا ئے اور حضرت عمرؓ نے اسی پر فیصلہ کیا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوموسی اشعری کی تحریک پر حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کر کے اسلامی تاریخ کا اجراء ہجرت کے واقعہ سے فرمایا۔

(۲) محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر کے سامنے کھڑا ہوا اوراس نے عرض کیا کہ آپ تاریخ لکھا کریں، حضرت عمر نے پوچھا کہ کیا تاریخ لکھیں ؟اس نے کہا کہ :"شيء تفعله الأعاجم ، يكتبون في شهر كذا من سنة كذا "(ایک بات جو عجمی لوگ کرتے ہیں، وہ لوگ لکھا کرتے ہیں کہ فلاں سال کے فلاں مہینہ سے) حضرت عمر نے فرمایا کہ ہاں! یہ تو اچھی چیز ہے، لہٰذا تاریخ لکھا کرو ،صحابہ نے کہا کہ کس سنہ سے ہم اس کا آغاز کریں؟ بعض نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے، بعض نے کہا کہ وفات سے، پھر ہجرت پر سب نے اتفاق کرلیا۔ (۲)

(۳) ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس ملکِ یمن سے آیا اور عرض کیا کہ میں نے وہاں (یمن میں) ایک بات دیکھی جس کو وہ لوگ تاریخ کہتے ہیں، وہ لوگ اس کو اس طرح لکھتے ہیں کہ فلاں سال، فلاں مہینہ سے، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو اچھی چیز ہے، لہٰذا تاریخ مقرر کرو۔

جب لوگوں کو جمع کیا تو کسی نے ولادت نبوی سے، کسی نے بعثت نبوی سے، کسی نے ہجرت سے، اور کسی نے وفات سے تاریخ مقرر کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہجرت سے مقرر کرلو۔ (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ لکھنے کی تحریک ایک یمنی کی طرف سے ہوئی۔

---

(۱) تاریخ طبری:۲/۳،ثقات ابن حبان:۲/۲۰۶،تاریخ خلیفہ:۱/۱، فتح الباری:۷/۲۶۸،وغیرہ

(۲) تاریخ طبری:۲/۳،البدایہ والنہایہ:۳/۲۰۶ (۳) فتح الباری:۷/۲۶۹

(۴)ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر نے خود اسکی ضرورت کو محسوس کیا تھا، ابن حجر، عینی اور ابن کثیر نے میمون بن مہران سے نقل کیا ہے کہ:

حضرت عمر کی خدمت میں ایک دستاویز پیش کی گئی، جسکی میعاد شعبان تھی، آپ نے فرمایا کہ کونسا شعبان مراد ہے، وہ جو گزر گیا یا جو آنے والا ہے؟ پھر آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کیا۔(۱)

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اولاً حضرت عمر کو بھی تاریخ مقرر کرنے کی ضرروت معلوم ومحسوس ہوئی، پھر دوسرے اصحاب کی طرف سے بھی تحریک ہوئی تو حضرت عمر نے مشورہ کے لئے صحابہ کو جمع کر کے ایک فیصلہ کردیا۔

ہجری تاریخ کے موجد حضرت عمرؓ

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ ہی نے بمشورہ صحابۂ کرامؓ ''ہجرت'' کو اسلامی تاریخ کے لئے بنیاد بنادیا، لہٰذا اس کا سہرا حضرت عمر کے سر بندھتا ہے۔

امام طبری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ہی نے سب سے پہلے تاریخ کو وضع کیا اور اس کو لکھا جیسا کہ مجھ سے حارث نے بیان کیا ہے۔(۲)

علامہ سیوطی نے حضرت عمر کی اولیات میں جہاں اور چیزوں کو شمار کیا ہے وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ہی اول شخص ہیں جنہوں نے ہجرت سے تاریخ مقرر کی۔(۳)

اسی طرح ''الوافی فی الوفیات'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ " أول من أرخ الکتب من الهجرة عمر بن الخطاب"(سب سے اول جنھوں نے ہجرت سے خطوط میں تاریخ لکھی وہ حضرت عمر بن خطاب ہیں)۔(۴)

(۱) تاریخ طبری:۳/۲، البدایہ:۲۰۶/۳، فتح الباری:۲۶۸/۷، عمدۃ القاری:۶۶/۱۷ (۲) تاریخ طبری:۵۶۹/۲ (۳) تاریخ الخلفاء:۱۰۸ (۴) الوافی فی الوفیات:۵/۱

مگر امام احمد نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے تاریخ لکھی وہ یعلی بن امیہ ہیں جبکہ وہ یمن میں تھے۔(۱)

مگر حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ روایت منقطع ہے۔(۲)

لہذا صحیح یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاریخ اسلامی کی ابتداء ہجرت کے واقعہ سے مقرر کی، اور آپ ہی اس کے موجد و مدون ہیں، اور اس سلسلہ میں جن حضرات صحابہ نے اپنے اپنے مشورے دئے ان میں حضرت علی اور حضرت عثمانؓ بھی شامل ہیں۔

ہجری تاریخ اور قرآنی اشارہ

اس جگہ یہ بھی سن لیجئے کہ حضرات صحابہ نے تاریخ کی ابتداء جو ہجرت کے واقعہ سے مانی ہے، انھوں نے یہ بات ایک قرآنی اشارے سے اخذ کی ہے۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ صحابہ نے ہجرت سے تاریخ ایک آیت سے لی ہے اور وہ یہ ہے: " لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ " (البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے تقوی پر رکھی گئی ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں) یہ پہلا دن وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ مدینہ میں وارد ہوئے تھے اور اسلام کو عزت ملی تھی، پس یہاں اول روز سے مراد تاریخ اسلامی کا پہلا روز ہے اور وہ ہجرت کا دن ہے۔(۳)

یہ ایک لطیف قرآنی اشارہ ہے جس سے صحابہ کرام نے اسلامی تاریخ کے لئے ماخذ کا پتہ چلایا اور ہجرت سے اس کو جوڑا، اس سے حضرات صحابہ کرام کی دقت نظری و تعمق علمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

---

(۱) سیرت ابن کثیر: ۲/۲۸۷ (۲) فتح الباری: ۷/۲۶۹ (۳) فتح الباری: ۷/۲۶۸

ہجری تاریخ کا سال تدوین

حضرت عمر نے کس سنہ میں تاریخ ہجری کی تدوین کی تھی ،اس میں متعدد روایات ہیں ،بعض میں ہے کہ یہ سنہ سولہ ہجری تھا اور بعض میں ہے کہ سترہ ہجری تھا اور بعض میں اٹھارہ کا ذکر آیا ہے۔

امام طبری نے تاریخ میں امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ یہ واقعہ سنہ سترہ یا اٹھارہ میں پیش آیا،"وذلك سنة سبع عشرة او ثمان عشرة"۔(۱)

اور''الوافی''میں ہے کہ یہ سنہ سولہ تھا اور ربیع الاول کا مہینہ تھا۔(۲)

ابن کثیر نے فرمایا کہ :" اتفق الصحابة رضی اللّٰه عنهم في سنة ست عشرة ، وقيل: سنة سبع عشرة ، وقيل: ثماني عشرة فيالدولة العمرية على جعل ابتداء التاريخ الإسلامي من سنة الهجرة " (حضرات صحابہ نے خلافت عمری میں سنہ سولہ، یا سنہ سترہ ، یا سنہ اٹھارہ میں اسلامی تاریخ کی ابتداء سنہ ہجرت سے قرار دینے پر اتفاق کیا)۔(۳)

اسلامی تاریخ کی ابتداء سال ہجرت سے کیوں؟

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے اسلامی تاریخ کی ابتداء جس واقعہ کی بنیاد پر رکھی وہ ہجرت کا واقعہ ہے، حالانکہ سیرت و تاریخ نبوی میں اور بھی اہم واقعات موجود تھے، جن کو تاریخ اسلامی کی بنیاد بنایا جا سکتا تھا۔

ولادت نبوی کا واقعہ کچھ کم اہم نہ تھا، چنانچہ بعض حضرات صحابہ نے اس کا مشورہ بھی دیا تھا، اسی طرح نبوت و بعثت کا واقعہ بھی اس کی بنیاد بن سکتا تھا ،معراج کے واقعہ کو بھی اس کے لئے معیار بنایا جا سکتا تھا ،مگر صحابہ نے اور خاص طور ہر

(۱)طبری:۲/۴(۲)الوافی فی الوفیات:۱/۵(۳)سیرۃ ابن کثیر:۲/۲۸۷

حضرت علی اور حضرت عمر نے واقعہ ہجرتِ نبوی کو اس کی اصل اور بنیاد بنایا۔

اس کی وجہ سے انہیں حضرات کی زبانی ملاحظہ کریں، انہوں نے اس کی وجہ بیان کی کہ:

"الهجرة فرّقت بين الحق والباطل" (ہجرت نے حق و باطل کے درمیان فرق کردیا)۔(۱)

ایک روایت میں حضرت عمر کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

"بل نؤرّخ من مهاجر رسول الله ﷺ؛ فإن مهاجره فرق بين الحق والباطل" (بلکہ ہم ہجرت سے تاریخ مانیں گے کیونکہ ہجرت کا واقعہ حق و باطل میں فرق ہے)۔(۲)

ایک روایت میں حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ ہم کس دن سے تاریخ لکھیں؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ:" من يوم هاجررسول الله ﷺ و ترك أرض الشرك"(جس دن اللہ کے رسول نے ہجرت کی اور شرک کی سرزمین کو چھوڑا اس دن سے لکھیں)۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے تاریخ اسلامی کی ابتداء ہجرت سے اس لئے قرار دی کہ یہ واقعہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے، اس سے لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ اسلام حق ہے اور اس کو ختم کرنا ممکن نہیں، اگر چہ اس کے خلاف ہزار ہا سازشیں و کوششیں کی جائیں، یہ دین حق ہے جو اللہ کی جانب سے آیا ہے جو ہر حال میں ابھر کر رہے گا۔

ہجرت کا واقعہ کتب سیرت سے پڑھکر دیکھ لیں کہ کس طرح ہجرت سے حق و باطل میں فرق ہوا ہے اور اس واقعہ نے باطل کو سرنگوں کرنے اور حق کو فتح یاب

(۱) فتح الباری: ۷/۲۶۸، عمدۃ القاری: ۱۷/۶۶ وغیرہ (۲) طبری: ۲/۳ (۳) طبری: ۲/۵

بنانے میں کس طرح اپنا کرارادا کیا؟

واقعۂ ہجرت اشاروں میں

یہاں اس کی جانب مختصر لفظوں میں اشارہ کر دینا مناسب ہے، کفار قریش نے جب اسلام کو پھلتا اور پھولتا ہوا دیکھا اور ہزار ہا تکالیف ومصائب کے باوجود اس کو آگے بڑھتا ہوا پایا تو ایک بار دارالندوۃ میں مکہ کے تمام سردار جمع ہو گئے اور مشورہ کیا کہ کس طرح اسلام کو ختم کیا جائے اور بعد بحث یہ بات طے ہوئی کہ آج ہی راتوں رات حضرت محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے اور اس کے لئے آپ کے گھر کا رات بھر وہ لوگ اپنے غنڈوں کو لیکر محاصرہ بھی کئے رہے، تاکہ جونہی آپ نماز کے لئے صبح نکلیں تو فوراً سب کے سب ملکر آپ پر حملہ کر دیں، وہ سمجھ رہے تھے کہ اس ترکیب سے آج کی رات گزرتے ہی حضرت محمد ﷺ کا وجود ختم ہو جائے گا اور آپ کے ساتھ اسلام بھی نیست و نابود ہو جائے گا، مگر اللہ کی حکمت بالغہ دیکھئے کہ عین اسی رات کو جب آپ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو آپ کو مدینہ کی جانب ہجرت کر جانے کا حکم خداوندی پہنچا اور آپ اس کی تعمیل میں رات ہی اپنے گھر سے نکل پڑے جبکہ کفار آپ کے گھر کے چاروں طرف محاصرہ کئے ہوئے تھے، آپ کافروں کے درمیان سے صحیح وسالم اور بخیر وعافیت نکل گئے اور کسی کافر کی نگاہ آپ کو نہ دیکھ سکی، پھر غار ثور میں تین دن قیام رہا اور کفار آپ کی تلاش میں وہاں بھی پہنچے تھے مگر اللہ تعالی نے آپ کی حفاظت کی خاطر وہاں ایک مکڑی کو جالا تان دینے کا حکم دیا اور کبوتریوں کو غار کے منہ پر انڈے دینے کا حکم دیدیا، اس لئے جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو یہ سمجھے کہ یہاں برسہا برس سے کوئی نہیں آیا ہے، یہاں تلاش بیکار ہے، اس لئے واپس لوٹ گئے، اور آپ ﷺ وہاں سے نکل کر اونٹ پر سوار معجزانہ طریقہ

پر مدینہ پہنچ گئے اور کفار کے سارے عزائم اور ارادوں پر پانی پھر گیا اور وہ ہاتھ ملتے اور ذلیل اور رسوا اور پسپا ہو کر رہ گئے، اور دوسری طرف جب آپ مدینہ پہنچے تو وہاں اسلام کو ترقی نصیب ہوئی اور وہ وہاں سے روز بروز بلندی اور عروج کی منزلیں طے کرتا رہا، وہاں مسلمانوں کی جمعیت بن گئی اور اسلامی حکومت قائم ہوگئی، اور لوگوں کو حق کے سمجھنے کا راستہ ہموار ہوا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

قربان جایئے حضرات صحابہ پر کہ انھوں نے ہجرت کے اس عظیم اور عجیب واقعہ سے اسلامی تاریخ کی ابتداء مان کر ہمیں اور قیامت تک آنے والے تمام اہل اسلام کو یہ بتا دیا ہے کہ اسلام کی سر بلندی اور عظمت اور اسکی سرخروئی اور جلالت اس بات میں منحصر ہے کہ مسلمان ہمیشہ اس کے لیے اللہ کے نبی علیہ السلام اور صحابہ اکرام کی طرح قربانیاں دیتے رہیں۔

ہجرت سے ابتداء کی دوسری وجہ

اسلامی تاریخ کی ابتداء ہجرت کے واقعہ سے قرار دینے کی ایک وجہ تو اوپر عرض کی گئی کہ اس واقعہ سے بڑی عبرتیں وابستہ ہیں اور اس کے ذریعہ حق وباطل میں کامل تمیز وفرق ہو جاتا ہے۔

اس کی دوسری وجہ بقول علامہ ابن حجر یہ ہے کہ ولادت ونبوت کی تاریخوں میں اختلاف ہے اور واقعۂ وفات سے ماننے میں یہ بات مانع ہوئی کہ یہ واقعہ مسلمانوں کو رنج وملال میں مبتلا رکھے گا، لہٰذا ہجرت سے ماننا بے غبار معلوم ہوا۔(۱)

ماہ محرم کو سال کا پہلا مہینہ مانا گیا

غرض جب یہ بات صحابہ نے طے کر لی کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء واقعۂ

(۱) فتح الباری: ۲۶۸/۷

ہجرت سے مانی جائے اوراس پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تو اب مسئلہ یہ تھا کہ سال کی ابتداء کس ماہ سے مانی جائے؟

تاریخ طبری کی روایت کے مطابق جب مشورہ ہورہا تھا اور سال ہجری سے اسلامی تاریخ کی ابتداء پر صحابہ متفق ہو گئے تو اس بارے میں سوال ہوا کہ کس ماہ سے سال کی ابتداء مانی جائے؟ بعض نے کہا کہ رمضان سے اور بعض نے کہا کہ محرم سے کیونکہ وہ لوگوں کے حج سے واپسی کا مہینہ اور محترم مہینہ ہے، پھر اسی پر ان سب کا اجماع ہو گیا۔(۱)

جب صحابہ کرام سے اس کے بارے میں مشورہ لیا گیا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ ماہ رجب سے سال کا آغاز مانا جائے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی یہی رائے تھی اور بعض نے کہا کہ رمضان سے سال مانا جائے، یہ حضرت طلحہ کی رائے تھی، اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ محرم سے تاریخ کا آغاز کرو؛ کیونکہ وہ محترم مہینہ ہے اور سال کا شروع بھی ہے اور لوگوں کے حج سے واپس آنے کا وقت بھی ہے۔(۲)

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آثار کے مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن صحابہ نے محرم سے ابتداء کی رائے و مشورہ دیا وہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت علیؓ تھے۔(۳)

غرض اس پر سب کا اتفاق ہو گیا اور صحابۂ کرام نے سالِ ہجری کا پہلا مہینہ محرم الحرام کو قرار دیا۔

ایک اشکال کا جواب

یہاں ایک اشکال ذہن میں آسکتا ہے، وہ یہ کہ جب صحابۂ کرام نے ہجرت

(۱) طبری: ۳/۳ سیرۃ ابن کثیر: ۲/۲۸۷ (۲) فتح الباری: ۷/۲۶۹، عمدۃ القاری: ۷/۱/۶۶ وغیرہ
(۳) فتح الباری: ۴/۲۶۹

کے واقعے کو اصل بنا پر اسلامی تاریخ کی ابتداء کو ہجرت سے وابستہ کیا تو سال کا پہلا مہینہ بھی اسی کو قرار دینا چاہئے تھا، جس میں ہجرت کا واقعہ پیش آیا اور ہجرت کا واقعہ ماہ ربیع الاول میں پیش آیا تھا تو مناسب تھا کہ سال ہجری کا پہلا مہینہ بھی ربیع الاول کو قرار دیا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شک ہجرت کا واقعہ ماہِ ربیع الاول میں پیش آیا تھا، مگر نبی کریم ﷺ نے ہجرت کر کے مدینہ جانے کا عزم وارادہ ''ماہ محرم الحرام'' میں ہی کرلیا تھا؛ کیونکہ مدینہ سے حج کو آئے ہوئے مسلمانوں نے ذی الحجہ کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ کو مدینہ آجانے کی دعوت دی اور آپ ﷺ نے اس دعوت کو قبول کرلیا، پھر جب محرم کا مہینہ آیا تو آپ نے اس کا عزم فرمالیا، اس لحاظ سے محرم ہی ہجرت کا مہینہ ہے، اگرچہ اس پر عمل ربیع الاول میں ہوا۔

ابن حجر عسقلانی نے یہی توجیہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب سے زیادہ قوی وجہ ہے جس کو میں نے محرم سے ابتداء کی مناسبت میں پایا ہے۔ (۱)

صحابہ کا طرز عمل ایک پیغام ہے

اس تفصیل وتوضیح کے بعد ہمیں اب اپنا جائزہ لیکر دیکھنا چاہئے کہ حضرات صحابۂ کرام کے اس طرز عمل وطریقہ کار سے چند باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے اور وہ دراصل ہمارے لئے ہدایات وپیغامات ہیں، ہمیں ان کی کسوٹی پر اپنے آپ کو جانچنا اور اپنا جائزہ لینا چاہئے۔

(۱) پہلی ہدایت یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے جب تاریخ مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کی تو اسلام کی تاریخ کی از سرنو بنیاد ڈالی اور اس کو رواج دیا، حالانکہ

(۱) فتح الباری: ۲۶۸/۷

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں اُس دور میں مختلف تواریخ مختلف اقوام میں رائج تھیں ۔عیسائیوں کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت شریفہ یا ان کے رفع سے تاریخ موجود اور رائج تھی ،اسی طرح یہود کی اپنی ایک تاریخ موجود تھی اور خود مکہ اور اطراف کے لوگوں میں ہاتھی کے اس عظیم واقعہ سے تاریخ چلتی تھی جس کا وقوع نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ سے صرف ۵۵ دن قبل ہوا تھا،اور اس کو''عام الفیل'' کہا جاتا تھا۔

مگر اس کے باوجود حضراتِ صحابہ نے ایسا نہیں کیا کہ ان مروجہ تواریخ میں سے کسی تاریخ کو اپنا لیا ہو اور اس پر اکتفاء کرلیا ہو، بلکہ مستقل طور پر مشورہ کر کے ایک اسلامی تاریخ کی بنیاد رکھی اور اس کو رواج دیا۔

اس میں اشارہ اور پیغام ہے کہ اسلام اپنے ہر معاملہ میں ایک تشخص رکھتا ہے،اور اس کا ایک امتیاز اور ایک خصوصیت ہے، وہ ہر جگہ اپنے اس امتیاز و تشخص کو باقی و برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

اب حضرات صحابہ کے اس طرز عمل کے ساتھ اپنا جائزہ لیکر دیکھ لیجئے کہ ہم اسلامی تشخصات اور امتیازات کو قائم کرنے کے بجائے اس کو کس حد تک پامال کرتے جا رہے ہیں؟ اور ہر موقعہ پر غیر اقوام کی تقلید اور اتباع کو سرمایۂ شرف وعزت خیال کرتے ہیں،اور خود تاریخ ہی کا مسئلہ لے لیجئے ،آج ہم اس سے کس قدر غافل ہیں اور اس کے برخلاف غیروں کی بنائی ہوئی تواریخ پر کس قدر فریفتہ ہیں کہ ہمیں اپنی تاریخ تو یاد نہیں،لیکن غیروں کی تاریخ کیا مجال ہے کہ ہم بھول جائیں؟

یاد رکھئے کہ یہاں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ دوسری تواریخ سے اعتناء اور اسپر عمل جائز ہے یا ناجائز؟ جائز تو ہے کہ دوسری تاریخ پر بھی عمل کریں،لیکن اسلامی تاریخ

سے وابستگی اور اس کا اہتمام دوسری تواریخ سے زیادہ کرنا چاہئے، مگر ہماری حالت اس کے بالکل برعکس ہے، پس حضرات صحابۂ کرام کا یہ طرز عمل اور طریقہ کار ہمیں اسلامی غیرت کا بھرپور سبق اور ہر موقعہ پر اپنے امتیاز اور تشخص کو باقی رکھنے کی پرزور دعوت دیتا ہے۔

(۲) حضرات صحابہ نے اسلامی تاریخ کو ہجرت سے وابستہ کرکے اور اسلامی سال کی ابتداء محرم الحرام سے مان کر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی وعظمت اور باطل کی شکست وریخت کا مظاہرہ کرنا چاہا تھا، گویا محرم الحرام وہ عظیم مہینہ ہے جس میں خدا کی طرف سے کفر کے علم برداروں اور باطل کے پجاریوں کو نامراد کرکے رسوا اور پسپا کردیا گیا تھا اور اہل اسلام کو سربلندی اور عظمت کا تاج پہنا دیا گیا تھا، صحابہ نے چاہا کہ محرم کے آتے ہی یہ اسلامی تاریخ کا روشن باب مسلمانوں کو یاد آجائے اور وہ اپنی عظمت وسربلندی کا احساس کرکے عزت وعظمت کی زندگی گزاریں۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ محرم الحرام کو منحوس ونامراد سمجھتا ہے اور بعض لوگ اس کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس میں ماتم بپا کیا جائے اور اسی لئے بہت سے مسلمان اس ماہ میں شادی اور دیگر خوشی کی تقریبات سے احتراز وپرہیز کرتے ہیں۔

صحابہ کے نزدیک یہ مہینہ بڑا باعظمت ومقدس تھا اور آج کے مسلمانوں نے اس کو منحوس اعتقاد کرلیا ہے، حالانکہ حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینہ ''محرم الحرام'' کا روزہ ہے۔(۱)

اس میں اس ماہ کو شہر اللہ (اللہ کا مہینہ) قرار دیا گیا ہے جس سے اس کی

(۱) مسلم: ۳۶۸/۱

تقدیس و تعظیم نکلتی ہے، پھراس کو رمضان کے بعد سب سے افضل فرمایا گیا ہے مگر اس کے خلاف شیعوں کی تحریف اور تلبیس سے مسلمانوں میں اس ماہ کی نحوست کا غلط و باطل عقیدہ رائج ہو گیا ہے جو قابل اصلاح ہے۔

(۳) پھر صحابہ نے ہجرت کے واقعہ سے اسلامی تاریخ کو جوڑ کر ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ اسلام کی ترقی و ترویج ،اس کی تعظیم وتقدیس اس پر موقوف ہے کہ اہل اسلام ہر زمانے میں اس کے لئے قربانی دیں ،جیسا کہ اللہ کے رسول اور صحابہ نے اس کے لئے بے انتہاء قربانیاں پیش کر کے اس کی تقویت و بقاء کا سامان کر دیا۔

اگر صحابہ ہجرت نہ کرتے اور اپنی گھر بار، بیوی بچوں ،قبیلہ و خاندان کو نہ چھوڑتے ،اوراپنے راحت وعیش کا سامان کرتے رہتے ،کھانے پینے اور دنیوی لذتیں حاصل کرنے میں لگے رہتے تو دین اسلام دنیا سے مٹ جاتا، اور کفار اس کو کبھی پنپنے نہ دیتے ،لہٰذا تاریخ اسلام کو ہجرت سے جوڑ کر صحابہ نے چاہا کہ جب بھی تاریخ اسلام سامنے آئے تو مسلمانوں کے اندر بھی قربانی کا وہی جذبہ پیدا ہو جائے اور وہ اسی طرح دین کی خاطر قربانیاں دیں۔

اب غور کیجئے کہ ہم نے اسلام کے لئے کیا قربانی دی ہے؟ اس کی ترقی کے لئے کیا خدمات پیش کی ہیں؟ ملت اسلامیہ کے فروغ کے لئے کیا سامان کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ہم کفر و باطل کی تقویت کا ذریعہ و سبب بن گئے ہوں اور اسلام کے ضعف و کمزوری کا باعث بن گئے ہوں، یا کم از کم ہمارے اوقات صرف دنیاوی کاموں اور دھندوں کی نذر ہو گئے ہوں؟ ان باتوں پر غور کر کے آئندہ زندگی کو اسلام کی تقویت و تحفظ اور اس کی ترقی و تطویر کے لئے صرف کرنا چاہیئے۔

قمری تاریخ کی شرعی اہمیت

جیسا کہ معلوم ہوا، محرم الحرام اسلامی کیلنڈر کا سب سے پہلا مہینہ ہے جس طرح انگریزی کیلنڈر کا پہلا مہنیہ جنوری ہے، مگر ہم میں سے اکثر لوگ انگریزی تاریخ اور اس کی ابتداء وانتہاء سے تو واقف ہوتے ہیں مگر اسلامی تاریخ اور اس کی ابتداء وانتہاء سے جاہل وغافل رہتے ہیں، بسا اوقات محرم الحرام کا مہینہ آتا اور چلا جاتا ہے اور بہت سے مسلمانوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی، اس کے برعکس جب جنوری کا مہینہ آتا ہے اور اس کی پہلی تاریخ ہوتی ہے تو سب کو اس کی اطلاع ہوتی اور اس کا چرچا سبھی میں ہوتا ہے، کیا عیسائی، کیا مسلم، کیا ہندو اور کیا مجوسی، سبھی اس میں دلچسپی لیتے ہیں، یہاں غیروں سے بحث نہیں اور نہ ان سے شکایت، شکایت تو اپنوں کی ہے کہ انکو غیروں کی تاریخ سے تو اتنی دلچسپی ہے لیکن اپنی اسلامی تاریخ سے اس قدر غفلت؟ حالانکہ اسلامی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے اور شرعاً اس کی بڑی اہمیت ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے:

﴿ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ،قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [بقرة:۱۸۹]

(لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہد یجئے کہ یہ لوگوں کے اوقات معلوم کرنے اور حج کرنے کا ذریعہ ہیں)

روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے شروع مہینے کے چاند کے بارے میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ! یہ چاند کا کیا معاملہ ہے کہ ظاہر ہوتا ہے دھاگے کی طرح باریک سا اور پھر بڑھتا جاتا ہے اور بڑا ہو جاتا اور گول بن جاتا ہے

پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور بالکل باریک ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہہ دیجئے کہ چاند دراصل لوگوں کے معاملات میں بھی اوران کی عبادات میں بھی اوقات معلوم کرنے کا آلہ وذریعہ ہے۔(۱)

چنانچہ جب ماہ کی ابتداء ہوتی ہے تو وہ اپنی ہلالی شکل سے ابتداء ماہ کی خبر دیتا ہے، پھر بڑھتا چلا جاتا ہے، اس سے لوگوں کو اپنی دنیوی زندگی میں بھی تقرر اوقات میں مدد ملتی ہے اور مذہبی و دینی معاملات جیسے حج، زکوۃ، روزہ، قربانی، نیز عدت، وغیرہ میں بھی اس سے مدد ملتی ہے۔ اس آیت میں اگر چہ صرف حج کا ذکر کیا گیا ہے کہ چاند حج کے لیے ذریعۂ وقت شناسی ہے، مگر مراد تمام عبادات ہیں، جو کسی خاص ماہ یا وقت سے متعلق ہیں، جیسے روزہ کہ رمضان میں فرض ہے، لہٰذا اس فرض کو ادا کر نے کے لیے یہ جاننا ضروری ہوا کہ رمضان کب ہے؟ اور یہ بات موقوف ہے چاند پر، اسی طرح حج، قربانی، زکوۃ، وغیرہ کا مسئلہ بھی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں لکھا ہے کہ:

''اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوا کہ چاند کے ذریعہ تمہیں تاریخوں اور مہینوں کا حساب معلوم ہو جائے گا، جس پر تمہارے معاملات اور عبادات حج وغیرہ کی بنیاد ہے، اسی مضمون کو سورۂ یونس کی آیت میں اس عنوان سے بیان کیا ہے۔: " وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ " (یونس: ۵) جس سے معلوم ہوا کہ چاند کو مختلف منزلوں اور مختلف حالات سے گزارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سال اور مہینوں اور تاریخوں کا حساب معلوم ہو سکے، مگر سورۂ بنی اسرائیل کی

(۱) روح المعانی: ۲/۷۱

آیت میں اس حساب کا تعلق آفتاب سے بھی بتلایا گیا ہے، وہ یہ ہے:

﴿ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَ جَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ﴾ (بنی اسرائیل:۱۲)

(پھر مٹایا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تا کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تا کہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب) اس آیت سے اگر چہ یہ ثابت ہوا کہ سال اور مہینوں وغیرہ کا حساب آفتاب سے بھی لگایا جا سکتا ہے، لیکن چاند کے معاملہ میں جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ہیں اس سے واضح اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ شریعت اسلام میں حساب چاند ہی کا متعین ہے، خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینے اور اس کی تاریخوں سے ہے، جیسے روزہ، رمضان، حج کے مہینے، حج کے ایام، محرم، شب برأت وغیرہ سے جو احکام متعلق ہیں، وہ سب رویت ہلال سے متعلق کئے گئے ہیں۔ (۱)

الغرض اس آیت سے عام زندگی کے معاملات اور مذہبی زندگی کے معاملات کا چاند سے متعلق ہونا اور چاند کا ان کے لیے ذریعۂ وقت شناسی ہونا معلوم ہوا جس سے قمری تاریخ کی ضرورت و اہمیت معلوم ہوئی۔

اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ عبادات میں قمری حساب کا اعتبار فرض و ضروری ہے، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا، جو عبادات اسلامی کا ذریعہ ہے اور ایک طرح کا اسلامی شعار ہے، اگر چہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا، شرط یہ

(۱) معارف القرآن:۱/۴۱۱-۴۱۲

ہے کہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں؛ کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات روزہ وحج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرت قومی اور ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے۔ اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے ان میں صرف شمسی حساب رکھیں، باقی نجی خط وکتابت اور روزمرہ کی ضروریات میں قمری اور اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔(۱)

الغرض ہمیں اپنی تاریخ کا لحاظ کرنا اور اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اپنے سارے معاملات کو قمری حساب کے مطابق کرنا چاہئے، یہ ہمارا شرعی فریضہ بھی ہے اور ملی غیرت کا تقاضا بھی۔ فقط

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی
۱۰/ محرم ۱۴۲۰ھ
۲۷/ اپریل، ۱۹۹۸ء

(۱) معارف القرآن: ۱/۴۶۸